28/27

هفت روزه

خدام الدین لاہور

بانی

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

۷ جنوری ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

ہدیہ
دو روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ —— حضرت لاہوری قدس سرہٗ

ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَ اَصْحَابُهٗ اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَأَهٗ زَهَمُهُمْ وَ نَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَ اَصْحَابُهٗ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَ نُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْاَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِيْ ثَمَرَتَكِ وَ رُدِّيْ بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَاْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْاِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيْلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَتَاْخُذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ فَيَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَ كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ يَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: پھر اللہ کا نبی عیسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اتریں گے۔ پھر ساری زمین میں ایک بالشت بھر بھی خالی نہیں پائیں گے مگر ہر جگہ ان کی چربی اور بدبو پھیلی ہوئی ہوگی۔ پھر عیسٰی علیہ السلام اور ان کے ساتھی بارگاہ الٰہی میں دعا کریں گے —— پھر اللہ تعالٰے ایسے پرندے بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گی۔ پھر وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر وہاں پھینکیں گے جہاں اللہ چاہے گا —— اور ایک روایت میں ہے انہیں نہبل میں پھینکیں گے اور مسلمان ان کی کمانیں اور تیر اور ترکشوں کو سات سال جلائیں گے۔ پھر اللہ تعالٰے مینہ بھیجیگا اس سے کوئی گھر اینٹ روڑے کا اور صوف کا نہیں بچیگا پھر وہ زمین کو دھوئیگا یہاں تک کہ مثل آئینہ کے صاف کردے گا پھر زمین سے کہا جائے گا۔ اپنے پھل اگادے۔ اور اپنی برکت لوٹا۔ پھر اس دن کھا دے گی ایک جماعت ایک انار اور اس کے چھلکے کے سایہ میں بیٹھ سکیں گے اور دودھ میں برکت دی جائے گی یہاں تک کہ دودھ والی ایک اونٹنی آدمیوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوگی اور دودھ والی ایک گائے ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگی اور ایک بکری دودھ والی آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوگی وہ لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ تعالٰے ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا وہ ان کی بغلوں کے نیچے آ داخل ہوگی۔ پھر ہر مومن کے روح کو قبض کرلے گی اور ہر مسلم کی روح کو، اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ مرد عورتوں سے باہمی علی الاعلان اس طرح اختلاط کریں گے جس طرح گدھے

سُنّی اکابر و عوام سے!

گذشتہ دنوں ملتان، بہاولپور اور کراچی کے سفر کا اتفاق ہوا تو اس دوران بعض ایسے مسائل سامنے آئے جن سے متعلق کچھ کہنا اور لکھنا ضروری ہو گیا —— اسی جذبہ صادقہ کے پیشِ نظر برادرانِ اہلسنت کو مخاطب کیا جا رہا ہے —— اللہ کرے کہ ہماری آواز "صدا بصحرا" ثابت نہ ہو اور غفلت و مدہوشی کی نیند سے ہم بیدار ہو جائیں۔

ملتان میں قریباً چالیس برس قبل معرض وجود میں آنے والی "تنظیم اہلسنت" کے زیرِ اہتمام "سنی مسائل" اور ملک کی ۲ فیصد آبادی پر مشتمل ایک مخصوص طبقہ کی جارحیت پر غور کرنا اور ان حالات سے نمٹنا پیشِ نظر رہا —— اس تنظیم کے ایک ذمہ دار بزرگ کے بقول افسوس کہ تبلیغ کا کام بہت اونچا ہوا (؟) لیکن تنظیم کا کام نہ ہو سکا —— ایسا کیوں ہوا؟ —— اس وقت اس پر گفتگو مقصود نہیں —— تاہم یہ بات واضح ہے کہ اگر بانیٔ تنظیم مرحوم کی سوچ کے پیشِ نظر تنظیم کا کام صحیح بنیادوں پر ہوتا تو آج یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا —— اب بھی اس کنونشن میں بھرپور نمائندگی نہ تھی —— اس کی وجوہات واضح ہونے کے باوجود ناگفتنی ہیں —— تاہم جتنے حضرات موجود تھے ان کی سوچ کے دھارے واضح تھے اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ پڑوسی ملک کے انقلاب کے بعد اس سے فکری رشتہ رکھنے والی اقلیت کی جارحیت کو روکنے اور اپنے حقوقِ ملی کے تحفظ کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ سبھی حضرات میں موجود ہے —— اللہ کرے کہ یہ جذبہ عمل کی شکل اختیار کرے تو محبین و خدام صحابہ کے لئے سر اونچا کر کے چلنا مشکل نہیں —— ملتان کے بعد کراچی جیسے مرکزی اور بین الاقوامی



جلد ۲۸ ● شمارہ ۲۷

جمعۃ المبارک
۷ر جنوری ۱۹۸۳ء

رئیس الادارہ
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمان علوی
ظہیر میر۔ ایم اے ایل ایل بی

دفاتر

کراچی
انجمن خدام الدین بلڈنگ
پہلی چورنگی ناظم آباد، کراچی
فون ۲۱۱۴۴۳

لاہور
خدام الدین مرکز
اندرون شیرانوالہ دروازہ
فون ۶۶۹۱۴

بدل اشتراک
سالانہ —— ۱۰۰ روپے
ششماہی —— ۵۰ روپے
سہ ماہی —— ۲۵ روپے
فی پرچہ دو روپے

شہر جانا ہوا "سنی کونسل" کے نام سے ایک تنظیم وہاں چند سالوں سے مصروف عمل ہے اور اس کا مقصد سنی ذہن کی بیداری ہے۔ اس عظیم شہر میں اس مقصد کی غرض سے اور بھی تنظیمیں کام کر رہی ہیں ——— اللہ کرے کہ سب مشترکہ پلیٹ فارم کو اپنا لیں تو کام کی رفتار تیز تر ہو جائے۔ ربیع الاوّل کی مناسبت سے "سنّی کونسل" سیرت رسول علیہ السلام کے سلسلہ میں بارہ روزہ محافل کا اہتمام کرتی ہے ——— مقام انعقاد، مشہور تاریخی مقام "خالق دینا ہال" ہے۔ اس کونسل کے ذمہ دار اراکین سے لے کر مبلّغین و خطباء تک اور شہر کے دوسرے سرکردہ حضرات سے مل کر جو حالات سامنے آئے ان کا خلاصہ یہی تھا، کہ پڑوسی ملک کے انقلاب کے بعد اس سے فکری رشتہ رکھنے والے لوگ کس طرح منہ زور ہو چکے ہیں؟ ان کی منہ زوریوں کا یہ عالم ہے کہ عبادت کے نام پر ہر غلط فعل جہاں چاہیں اور جب چاہیں کر گذریں ——— انتظامی مشینری میں موجود ان کے عناصر "گروہی مفادات" کا بھرپور لحاظ رکھتے ہیں اور زندگی کے کسی بھی دائرے میں وہ اپنے لوگوں کے سوا نہ کسی کا کام کرتے ہیں، نہ کسی سے تعاون درست خیال کرتے ہیں

اگر کوئی زمیندار ہے تو اس کا مزارعہ ——— مزارعت کی شرعی پوزیشن الگ مسئلہ ہے ——— انہی کے طبقہ کا ہوگا ——— اگر کوئی کارخانہ دار ہے تو انتظامی عملے سے لے کر محنت کش تک سبھی لوگ وہ ہوں گے جو ان سے ذہنی مناسبت رکھتے ہیں، اس وجہ سے اب ان کی تنظیم کا انداز بالکل جدا ہو چکا ہے اور وہ سنّی عوام سے خواہی نخواہی الجھنا گویا اپنا حق سمجھتے ہیں ——— ارباب اقتدار ان کے پروپیگنڈے سے متاثر، ذرائع ابلاغ کے کرتا دھرتا ان کی زلفِ گرہ گیر کا شکار ——— نتیجہ یہ ہے کہ کم از کم کراچی کے سنّی عوام کی سوچ کے دھارے ایسے ہو چکے ہیں کہ اگر اقلیتی پارٹیوں کو قانون کے دائرے میں نہ رکھا گیا تو معاملات نازک صورت اختیار کر سکتے ہیں ——— بدقسمتی یہ ہے کہ سنّی مشائخ و علماء ہوں یا ارباب سیاست، سنّی صنعت کار ہوں یا جاگیردار، سنّی خواص ہوں یا عوام، وہ سالہا سال کے یہود و مجوس پروپیگنڈے کا اس طرح شکار ہیں کہ الاماں ——— اللہ کا شکر ہے کہ کراچی میں اس پروپیگنڈے کا زور ٹوٹ چکا ہے، لوگوں نے صحیح انداز سے سوچنا شروع کر دیا ہے اور خاص طور پر صدر اوّل کی اسلامی تاریخ سے متعلق

پروپیگنڈا لائن ٹوٹ چکی ہے ——— ضرورت اس بات کی ہے کہ ٹھوس اور مثبت طریقے سے سارے ملک میں کام شروع کیا جائے۔ کراچی میں اس تحریک کے علمبردار ملک بھر کے تمام شہروں اور قصبات کے دردِ دل رکھنے والے مخلص سنّی حضرات سے رابطہ کریں اور وسیع پیمانے پر ملک میں کام کا آغاز ہو ——— اس محاذ پر تاریخ اسلام کے گنجلک واقعات کی صحیح تعبیر عوام کے سامنے تحریراً اور تقریراً پیش ہو۔ انتظامیہ کے ذمہ دار لوگوں سے ملاقاتوں کا وسیع پیمانے پر سلسلہ جاری ہو۔ اور انہیں حقائق سے روشناس کرایا جائے۔ من و تو کے امتیاز سے بلندتر ہو کر وسیع تر سنّی مفاد کی غرض سے پوری ملّت کے اجتماع و اتحاد کی عملی راہیں پیدا کی جائیں۔ اور سیاسی ناخداؤں نیز صحافتی بزرجمہروں کو بطور خاص ٹھوس اور واضح پالیسی اپنانے پر متوجہ کیا جائے ——— اگر کوئی سیاسی ناخدا یا صحافتی وڈیرا توجہ نہ کرے تو اس کے بائیکاٹ کی مہم ہو۔ اس طرح کے اقدامات سے انشاء اللہ تعالیٰ سنّی عوام بیدار ہوں گے اور اپنے نفع و نقصان کو پہچاننے لگیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں اعلاء کلمۃ الحق اور استحکام وطن

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : علوی

— ۲ —

امّت پر نبی علیہ السّلام کا حق

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :—

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔

بزرگان محترم، برادرانِ عزیز!

سورۂ احزاب کی چھٹی آیت کے ابتدائی ٹکڑے کا ترجمہ، اس کی تشریح اور پھر اس ضمن میں چند گذارشات گذشتہ صحبت میں سامنے آ چکی ہیں۔ مابقی گذارشات آج پیش خدمت ہیں :

الف : بات یہاں تک پہنچی تھی کہ مروجہ محافل کی ابتدا ۶۰۴ھ میں ہوئی۔ جن کے بانی سلطان مظفر اور ابوالخطاب تھے جنہیں بعض مؤرخین نے کذاب و فاسق لکھا ہے۔

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ محقق علماء کی تحقیق کے مطابق پیغمبر اقدس کی ولادت ۹ر کو ہے تو ان فاسق و کذاب حکمرانوں نے ۱۲ر ربیع الاول کیوں متعین کی جبکہ وہ بہرحال تاریخ وفات ہے —؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یاران سرپل ہر غم و اندوہ کے موقعہ پر مصنوعی خوشیوں کا اہتمام کرکے امت کا رُخ موڑنے میں لگے ہوتے ہیں۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ جو فعل صحابہ علیہم الرضوان اور تابعین علیہم الرحمہ کے زمانے میں نہ تھا اور جس کے وجود سے ۶ صدیاں خالی چلی آئی ہیں وہ آج "اسلام کا شعار" کیسے بن گیا؟ اور اس "شعار اسلام" کو کرنے والے "عاشقانِ رسول" اور جو اس نو ایجاد حرکت پر عمل نہ کریں وہ دشمنانِ اسلام و رسول۔

ع بر عکس نہند نام زنگی کافور

ب : آج میں کھل کر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام سے قبل دوسری اقوام اپنے بزرگوں اور بانیانِ مذاہب کی برسیاں مناتے، یہ اُن کے یہاں معمول تھا۔ لیکن حضور اقدس علیہ السلام کے ذریعہ جو دین ہمیں ملا اس نے اس رسم کو ختم کر دیا۔ اس کی ایک حکمت تو یہ تھی کہ ایسے مواقع پر جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اسلام کی روح و مزاج کے بالکل خلاف ہے اور اسے اسلام کی تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں۔ اسلام نمود و نمائش، نعرہ بازی کا قطعاً قائل نہیں۔ وہ تو عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت سے "انساں سازی" کا کام کرنے کا علمبردار ہے۔ وہ زمین پر چلنے والی دو دو، تین تین من کی بے جان لاشوں کو ایسا زندہ انسان بنانا چاہتا ہے جن کے قلوب یادِ الٰہی کی گرمی سے گرم ہوں، جن کا رواں رواں حضور علیہ السلام کی سیرت و کردار کا عکس جمیل پیش کرے جو جئیں تو اسلام کی خاطر، مریں تو اسلام کی خاطر ——— جن کی راتیں مصلّی پر گذریں تو دن گھوڑے کی پیٹھ پر ——— اور برسی و سالگرہ کی رسومات کو ختم کرنے کی دوسری حکمت اسلام کے نزدیک یہ تھی

کہ اسلام دوسرے مذاہب و ادیان کی طرح وقتی و موسمی شجرو بہار اور برگ و بار کا دین نہیں وہ ایسا سدا بہار شجرِ طیبہ ہے جو اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء کا مصداق ہے جس کی جڑیں زمین سے پیوست اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ جو اکلہا دائمًا و ظلہا کا مصداق ہے کہ اس کے شیریں و میٹھے پھل اور اس کا سایہ دائمی و ہمہ وقتی ہے ــــــ وہ سال کے چند مخصوص ایام میں رسمی عقیدت کے مظاہروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور مطالبہ کرتا ہے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات اس ہادی برحق امام الرسل، مولائے کل اور سیّد کائنات کی زندگی کے سانچہ میں ڈھلا ہونا ضروری ہے۔

پھر آپ دیکھیں کہ ہر مدعی مذہب کی دوڑ یہی کچھ ہے کہ اس کا سرمایہ دو چار ہستیاں ہیں اور بس۔ لیکن اسلام جو دین حق ہے جو عالمگیر اور ابدی صداقت کا نام ہے اس کا دامن ہزاروں لاکھوں موتیوں اور ہیروں سے اٹا اور بھرا ہوا ہے وہ آخری امام و قائد محمد عربی علیہ السلام سمیت سوا لاکھ کے قریب انبیائے معصومین کی عظمتوں کو دنیا سے منوانے کا علمبردار ہے وہ صحابہ محفوظین کی جماعت حقہ و مقدسہ کے ایک ایک فرد کو آسمان ہدایت کے ستارے قرار دیتا ہے۔ اور پھر ان کے بعد زوال و ادبار کے باوجود ہر صدی میں اکابر و اعاظم رجال کی ایک فہرست آپ کو ملے گی جو واقعی غلامانِ محمد اور پروانگان شمع رسالت تھے۔

اب آپ سوچیں کہ اگر اس رسم کی اجازت ہو جاتی تو سارا سال انہی جھمیلوں کی نذر ہو جاتا اور عمل و کردار کی قوت دم توڑ جاتی۔

حضور اقدس علیہ السلام نے واضح طور پر منع فرمایا کہ "میری قبر کو عید نہ بنانا"۔ لیکن حیرت ہے اس جرأت پر کہ ساتویں صدی سے شروع ہونے والے عمل کو "عید میلاد النبی" کا نام دے دیا گیا۔ امام الانبیاء علیہم السلام امّت کے لئے محض دو عیدوں کا اعلان فرماتے ہیں "عید الفطر"۔ عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کوئی تیسرا دن اس لفظ کا مستحق ہوتا تو جو نبی دو دنوں کو عید کہہ سکتا تھا وہ تیسرے اور چوتھے کو بھی کہہ دیتا۔ آپؐ نہ سہی تو کم از کم خلفاء راشدین جن کی سنت و طریق پر عمل کی آپؐ نے تاکید فرمائی وہ ہی کہیں یہ بات فرماتے لیکن امّت کا پورا دینی لٹریچر اس بات سے خالی ہے اور خلفاء راشدین چھوڑ، صحابہ علیہم الرضوان کی آخری صف کا کوئی بزرگ بھی ایسی بات نہیں کہتا ــ نہ کوئی ثابت کرسکتا ہے۔ اگر خدا چشم بینا عطا فرمائے تو آپ کے داغ مفارقت کے دن کو عید میلاد قرار دینا خطرناک جسارت، طوطا چشمی اور تحریف فی الدین ہے۔

ج: یہ "عید" پھر جس طرح منائی جاتی ہے وہ خود باعث شرم ہے۔ من گھڑت قصّے، غلط سلط نعتیں پڑھنے اور بیان کرنے والے وہ جن کی سیرت چھوڑ صورت بھی اسلام کا منہ چڑاتی ہے ــ جنہیں نماز روزہ کی توفیق نہیں، لقمہ حلال جن کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ جھوٹ کے رسیا، سچ سے محروم ــــــ اور پھر تماشہ یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ نبی اُمی علیہ السلام ان خرافاتی مجالس میں شریک ہوتے ہیں ــ اے کاش! ہماری ماؤں نے ہمیں نہ جنا ہوتا ــــــ اسلام کی غربت کا آج یہ عالم ہے کہ اہل فسق و فجور کی ان حرکات کی سرپرستی وہ کر رہے ہیں۔ جو قرآن کی رو سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذمہ دار تھے۔

د:۔ اب غضب یہ ہوا کہ بیت اللہ اور روضہ اطہر کی شبیہیں بن رہی ہیں، سوانگ رچائے جا رہے ہیں ــــ فیا حسرتا ــــ یہ سب کچھ جو ہوتا ہے اس پر لاکھوں نہیں کروڑوں کا سرمایہ اٹھ جاتا ہے ــــ بتلائیں

وہ اسراف نہیں۔ فضول خرچی نہیں، اور ملّا علی قاریؒ کے بقول قبروں پر چراغ جلانا اس لئے باعثِ لعنت ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ گویا جو فعل عبث ہوگا وہ اللہ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے ــ اور یہ فعل عبث وہ قوم کر رہی ہے جس کا ہر پیدا ہونے والا بچہ مقروض ہے۔ جس کی قومیت و مملکت کے عالمی منڈی میں سودے ہو رہے ہیں۔ جو بھوک و ادبار کے سبب الحاد و بے دینی، ارتداد و کفر کی گود میں جا رہی ہے ــــ کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ اس قدر سرمایہ غربار کی غربت و افلاس کے خاتمہ پر خرچ کرے ــــــ پھر ان رسومات میں تقلید یہود و منافقین واضح ہے۔ جنہوں نے اس قسم کی قباحتوں سے خدا کا غصہ مول لیا۔ اکابر و اسلاف اہلسنت کا یہ حال تھا کہ یوم عرفہ کے دن جب لاکھوں حاجی میدان عرفات میں جمع ہوتے تو دنیا کے ہر شہر کے مسلمان کھلے میدانوں میں ان کی نقالی کرکے توبہ و استغفار کرتے ــــــ بظاہر اسمیں خرابی نہ تھی لیکن علمائے اہلسنت نے سختی سے اس کی تردید کی اور فرمایا:۔

"عرفہ کی رسم منانا بالکل لغو اور بے ہودہ ہے"۔

مشہور حنفی فقیہہ شیخ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:۔

"وقوف عرفات ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس جگہ کے سوا دوسری جگہ جائز نہیں، ایسے ہی جیسے طواف کعبہ کعبہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ جائز نہیں"۔

(البحرالرائق ص ۱۷۶ ج ۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

"کہ حضور علیہ السلام نے اپنی قبر کو عید بنانے سے اس لئے روکا کہ تحریف کا دروازہ بند ہو جائے کیونکہ اہل کتاب نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ ایسا ہی کیا اور انہیں حج کی طرح عید اور رسم بنا لیا"۔

بقول شیخ علی قاریؒ طواف کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے انبیاء و اولیاء کی قبروں کے گرد طواف حرام ہے، جاہلین کا کوئی اعتبار نہیں چاہے وہ مشائخ و علماء کی شکل میں ہوں ــــــ علماء اہلسنت اور فقیہان ملت کے ان ارشادات کی روشنی میں وہ لوگ سوچیں جو کعبۃ اللہ اور حرم نبوی کی شبیہیں بناتے اور سوانگ رچاتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ہندوستان کے عظیم المرتبت مجدد حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالےٰ کا ایک ارشاد پیش کر دیا جائے جو انہوں نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالےٰ کے متعلق مکتوبات میں لکھا:۔

"انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ اجتماع اور یہ مجلس (مجلس میلاد) منعقد ہوتا۔ آیا اس پر راضی ہوتے؟ اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ فقیر کا مقصود صرف امر حق کا اظہار ہے قبول کریں یا نہ کریں ــ کوئی پرواہ نہیں اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔

(دفتر اول مکتوب ص ۲۷۳)

اسی کے مطابق میں بھی عرض کرتا ہوں:ــ

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ــــــــ

رحمۃ للعلمین

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

تحریر: سیّد عطاء الرحمٰن جعفری بی، اے (آنرز)

انسان اس کائنات کی سب سے برتر، سب سے افضل اور سب سے اشرف مخلوق ہے۔ اس برتری، اس فضیلت اور اس اشرف کا راز اس کی قوتِ فیصلہ میں پوشیدہ ہے۔ وہ اچھے اور برے، مفید اور مضر میں تمیز کر سکتا ہے۔ غور و فکر اور قوتِ فیصلہ میں سارے انسان نہ برابر ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ کسی میں یہ صلاحیتیں بہت ہی بلند ہیں۔ تو کسی میں بہت کم۔ انسانیت کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہر دور میں غور و فکر اور قوتِ فیصلہ کی برتر صلاحیت رکھنے والے انسانوں نے اپنے ہم جنسوں کی رہبری اور رہنمائی کی کوشش کی۔ ہر ایک نے اپنے انداز میں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لئے بہتر زندگی کے قواعد و ضوابط بنائے۔ انہیں ہم فلسفی اور مفکر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر کسی فلسفی اور کسی مفکر کی رہبری دوام حاصل نہ کر سکی۔

انسانی فکر کا یہ انجام دیکھنے کے بعد ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ہماری رہبری اور رہنمائی کا کون سا ذریعہ ایسا ہے جسے زمان و مکان کے تقاضے کھوٹا نہ کر سکیں۔ جس پر آج ہے اور کل نہیں کا اطلاق نہ ہو سکے۔ یہی وہ مقام ہے جو ہمیں لامحالہ دین و مذہب اور آسمانی رہبری کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دین و مذہب کا سرچشمہ وہ ہستی ہے جو زمان و مکان کی خالق ہے۔ اور اسی لئے ان کی بندشوں، پابندیوں اور آزادیوں سے بے نیاز ہے۔ لازمی طور پر اسی کے فیصلوں کو دوام حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم نے ہمیں بتلایا ہے کہ جب پہلے انسان کو روئے زمین پر بھیجا گیا تو خالقِ انسان نے اس سے فرمایا تھا کہ ہم ہر دور میں تمہاری رہبری اور رہنمائی کا اہتمام کرتے رہیں گے۔ چنانچہ خالقِ کائنات نے اپنے منتخب انسانوں کے ذریعے اس رہبری کا اہتمام فرمایا ـــــ یہ انسان نبی اور رسول کہلائے ـــــ انبیاء اور رُسل کا یہ سلسلہ آغازِ انسانیت سے لے کر پندرہ سو برس پہلے تک قائم رہا۔

جب انسانیت اپنے سفرِ حیات کی ایک فیصلہ کن منزل پر پہنچ گئی تو خالقِ کائنات نے انسانوں کے آخری رہبر کو دنیا میں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ساری دنیائے انسانیت کے سامنے برملا اعلان کریں کہ:۔

ترجمہ: آپ اعلان کر دیں
کہ اے لوگو! میں تم سب
کی طرف اللہ کا رسول ہوں
جس کی آسمانوں اور زمینوں
پر سلطنت ہے۔"

اور اپنے اس آخری پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ:۔

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو
نہیں بھیجا لیکن تمام انسانوں

کے لئے خوشخبری سنانے والا
اور ہوشیار کرنے والا"۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے اس رسولؐ کو رحمۃ للعالمین کہا۔ یعنی تمام جہانوں تمام انسانوں کے لئے اپنی رحمت قرار دیا۔

محض نظریاتی تعلیمات نہ دوامی ہو سکتی ہیں اور نہ ہمہ گیر، کھوٹی۔ کھری اور پاک زندگی وہی کہلائے گی جس کا کوئی گوشہ انسانوں کی نظر سے پوشیدہ نہ ہو۔ جس کی خلوت اور جلوت کی ہر بات اور ہر فعل سے لوگ واقف ہوں۔ اس معیار سے حضرت محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک پر نظر ڈالئے۔

عرب کے ایک معزز گھرانے میں آپ تولد ہوئے۔ پیدائش سے پہلے ہی سایہ پدری سے محروم ہو گئے چھ سال کی عمر میں والدہ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور دادا کی سرپرستی میں آ گئے۔ دادا کے بعد چچا نے سرپرستی کی جوان ہوئے تو تجارت کا شغل اختیار فرمایا۔ سب سے اپنی دیانت اور راست معاملگی کا لوہا منوایا۔ پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ بیوہ خاتون سے نکاح فرمایا ـــــ ایک مدبّر اور جہاں دیدہ خاتون جنہوں نے آپ کی دیانت اور شرافت سے متاثر ہو کر نکاح کی درخواست کی ـــــ تجارت ترقی کرتی گئی اور تجارت کے ساتھ ساتھ آپ کی سچائی اور دیانت بھی مسلّم ہوتی گئی۔ چالیس سال کی عمر میں غارِ حرا کی تنہائی میں پہلی وحی نازل ہوئی ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ جواب ملا کہ آپ پریشاں نہ ہوں خدا آپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔ کیونکہ آپ قرابتداروں کا حق پورا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ حق کی طرفداری کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں۔ یہ گواہی دینے والی آپ کی زوجہ محترمہ ہیں ـــــ پندرہ سال انہوں نے آپ کو دیکھا پرکھا ہے۔ ایک بیوی سے زیادہ شوہر کا رازدان کون ہو سکتا ہے۔

حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے جب اعلانیہ تبلیغ شروع فرمائی تو کسی بڑے سے بڑے مخالف اور کٹر سے کٹر دشمن کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ آپؐ کی دیانت و صداقت پر شبہ کا اظہار کر سکے۔ بلکہ آپؐ کی بے داغ سیرت اور بے لوث کردار کی تصدیق کی۔ ایک شوہر، ایک باپ، ایک دوست اور ایک پڑوسی، ایک حاکم، ایک سپہ سالار، ایک منصف، ایک معلّم غرض کسی حیثیت میں آپ یہ تصویر دیکھیں۔ آپ بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

انسانوں میں یہ کمال نہ کسی اور کو آج تک حاصل ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

یہ تو تھا رہبر اور معلّم کی ذات اور شخصیت کا ذکر ـــــ اب ان تعلیمات کے چند پہلوؤں پر غور کیجیے جو آپؐ نے انسانوں تک پہنچائیں۔ اور جس کی وجہ سے آپؐ عالمین کے لئے خدا کی رحمت کے عظیم لقب سے ملقب ہوئے۔ انسان کو ایک معبود اور ایک رب کا بندہ قرار دے کر اسے ہر طاقت اور اقتدار کی غلامی سے آزاد کر دینا انسانیت کی کتنی بڑی خدمت ہے ـــــ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خدا کا آخری پیغمبر اور عالمین کے لئے رحمت بننے والا دنیا کو اللہ کا یہ پیغام سناتا ہے کہ:

"اے لوگو! ہم نے تم
کو ایک مرد اور ایک عورت
سے پیدا کیا پھر تمہارے
گروہ اور قبیلے بنائے۔

تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ بے شک ہمارے نزدیک تم میں سب سے بڑا اور بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ ہمارا خوف رکھتا ہو، یعنی سب سے زیادہ نیک ہو۔"

رنگ، نسل، زبان، وطن اور ایسی دوسری بنیادوں پر ایک انسان کو دوسرے انسان پر برتری کے تصوّر کی اس وضع تردید کو ذہن میں رکھئے اور غور فرمائیے کہ عالمی انسانی برادری کا تصور جس کا غلغلہ آج ہر طرف بلند ہے اس کی بنیاد آپ کو کس کی تعلیمات میں ملتی ہے جس نے ایک غلام بلال حبشیؓ کو سردارانِ قریش کی صف میں لا کھڑا کیا۔ حریت اور مساوات کی ان تعلیمات کے بعد اسلامی تعلیمات کا سب سے اہم پہلو علم کی ترغیب ہے۔ سائنس چاہے مادی ہو یا عمرانی اس کی بنیاد ذوق تجسس پر ہے اور اسلام نے اس ذوق کی جس طرح پرورش کی اور جس طرح اس کو آگے بڑھایا اس کی گواہی خود قرآن حکیم دیتا ہے۔

ہر وہ ترقی اور ہر وہ کام جس کا مقصود انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی نہ ہو بالآخر غارت گرِ سکون ہی ثابت ہوگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سیدھا سادہ سبق دیا تھا کہ جس چیز یا بات کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔ اس پیام کی مخاطب پوری انسانیت ہے — اور جب تک سارے انسان خلوصِ دل سے اس پر عمل نہیں کریں گے، زندگی میں سکون ایک خواب ہی رہے گا جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

کاش! ہم حضورؐ کی سیرت کو اس طرح اپنا لیں جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنایا تھا اور عرب کے صحرا نشین اس سیرت پر عمل کر کے دنیا کے تاجدار بن سکتے ہیں تو ہماری زندگیاں کیوں نہیں بدل سکتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم آج بھی روشن ہیں۔ ضرورت صرف اس بصارت و بصیرت کی ہے جو اس روشنی کو دیکھ سکے۔ ہم خدا سے وہی بصیرت اور بصارت مانگتے ہیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

صلائے عام

شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی دوسری فکری نشست ۸ رجنوری ۱۹۸۳ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب لائبریری مدرسہ قاسم العلوم اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور میں منعقد ہو گی۔

اس نشست میں حضرت مولانا عبیداللہ انور ایک اہم ترین موضوع پر اپنا مقالہ خود پیش فرمائیں گے۔

شرکت کی عام دعوت ہے۔

(معتمد سوسائٹی)

تبدیلی پتہ

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحیم یار خاں سے کراچی منتقل ہو گئے ہیں احباب ان سے درج ذیل پتہ پر رابطہ فرما سکتے ہیں:-

مولانا عبدالمجید صاحب کورنگی نمبر ۳ سیکٹر ۳۴/۲ نئی آبادی پلاٹ نمبر ۸۴۶ نزد طیبہ مسجد کراچی نمبر ۳۱

عصری اور دینی تعلیم گاہوں میں باہمی روابط

ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ صاحب ازہری
صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصۂ قدیم و جدید!
اقبالؒ

ہمارا وطن دو صدی قبل سے انگریز کی سیاسی دخل اندازی اور بڑھتے ہوئے اقتدار کے باعث مختلف تحریکات اور انقلابات کا گہوارہ بنا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ بہادر شاہ ظفر (وفات ۱۲۷۹ھ) کی اسیری، بوڑھے باپ کے سامنے جوان بیٹوں کا قتل، بیگمات کے ساتھ بہیمانہ سلوک، مجاہدین آزادی کو پھانسی اور کالے پانی کی سزائیں، انگریزوں کے ایسے مظالم تھے جن کی مزاحمت، کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو بصیرت کے ساتھ یہ بھی محسوس کرے کہ کس طرح اس ملک دین کی حفاظت کے ساتھ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔[1]

۱۸۵۷ء میں اگرچہ علمائے کرام کی جدوجہد بظاہر ناکام ہو گئی لیکن اس کے اثرات باقی رہے۔ غدر کے بعد ذی شعور مسلمانوں نے اس مسئلہ کو دو طرح سے سوچا، ایک یہ کہ حکومت انگریزوں کی ہے، اس لئے دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم اور انگریزی طرز زندگی کو بھی اپنایا جائے۔ دوسرا طرز فکر یہ تھا کہ برطانوی سامراج سے مقابلہ کر کے اسے ملک سے نکال باہر کیا جائے۔ ان احساسات کے ساتھ دو ایسی عبقری شخصیتوں کا ظہور ہوا جن کی مخلصانہ جدوجہد کے نتائج نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری اسلامی دنیا پر اثر انداز ہوئے۔ ان دونوں شخصیتوں کا مقصد ایک تھا۔ یعنی مسلمانوں کی فلاح و بہبود، اس لئے اختلاف نظر کے باوجود یہ دونوں شخصیتیں مختلف راہوں سے ایک ہی منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرتی رہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (وفات ۱۲۹۷ھ) ولی اللّٰہی درسگاہ کے دینی حصّہ کو دہلی سے دیوبند اور سر سید احمد خاںؒ (وفات ۱۸۹۸ء) مدرسہ غازی الدین کے انگریزی حصہ کو علی گڑھ لے آئے۔

۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت نے مدرسہ غازی الدین (بیرون اجمیری دروازہ دہلی) کو علوم شرقیہ کا ایک مرکز قرار دیا۔ اس کا نام مدرسہ علوم شرقیہ تھا پھر مدرسہ دہلی ہوا پھر عربک کالج پھر دلی کالج ہوا اور اب ذاکر حسین کالج ہے۔ اس کے پہلے صدر مدرس مولوی رشید الدین خان دہلویؒ (وفات ۱۲۴۳ھ) تھے جو شاہ عبدالعزیزؒ (وفات ۱۲۳۹ھ) شاہ رفیع الدینؒ (وفات ۱۲۳۴ھ) اور شاہ عبدالقادرؒ (وفات ۱۲۳۰ھ) کے شاگرد رشید تھے۔ مولانا موصوف کی وفات کے بعد ان کے عزیز شاگرد مولانا مملوک العلیؒ (وفات ۱۲۶۷ھ) مدرسہ دہلی کے صدر مدرس ہوئے۔ سر سید احمد خانؒ (وفات ۱۸۹۸ء) منشی ذکاء اللہؒ (وفات ۱۳۲۸ھ) مولوی ضیاء الدینؒ (وفات ۱۳۳۷ھ) ڈپٹی نذیر احمدؒ (وفات ۱۳۳۰ھ) اسی مدرسہ دہلی کے فیض یافتہ مشہور طالب علم ہیں!

سر سید احمد خاںؒ (وفات ۱۸۹۸ء) نے علی گڑھ میں انگریزی سکول قائم کیا تو اس

---

[1] ابوالحسنات ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء ص ۲۳

کا نام مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ رکھا۔ پھر وہ کالج بنا تو اینگلو محمڈن اورنٹیل کالج ہُوا اور اب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔

۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں عام طور پر علم کے تین مرکز تھے (دہلی، لکھنؤ، خیر آباد، دہلی میں شاہ ولی اللہؒ وفات ۱۷۶۲ء) کا خاندان کتاب و سنّت کی تعلیم دے رہا تھا۔ لکھنؤ میں علمائے فرنگی محل، فقہ و اصول فقہ کی تدریس میں مصروف تھے اور خیر آباد میں منطق و فلسفہ کی خدمات انجام دی جا رہی تھیں۔[1]

۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ یکے بعد دیگرے وجود میں آئے۔ دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کے دین کو سنبھالا اور مدرسۃ العلوم نے عصری اور معاشی علوم کے ذریعہ مسلمانوں کو دنیوی تباہی سے بچایا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور دہلی کالج جو انگریزی درسگاہیں سمجھی جاتی تھیں، ان کا دینیات کا شعبہ قریب قریب دارالعلوم دیوبند سے ہی متعلق رہا۔ مسلم یونیورسٹی شعبہ دینیات کے پہلے ناظم دیوبند کے فاضل مولانا عبداللہ انصاریؒ (وفات ۱۳۴۴ھ) تھے۔ ان کے بعد مولانا احمد میاں انصاریؒ دیوبندی وغیرہ کا تقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۹ء میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی شعبہ دینیات کے پہلے اور ڈین مقرر کیئے گئے۔[2]

دینی تعلیم کے لئے دلّی سے جو اساتذۂ کرام دیوبند لائے گئے تھے ان میں اکثر ولی اللٰہی درس گاہ کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (وفات ۱۲۹۷ھ) مولانا یعقوب نانوتویؒ (وفات ۱۳۰۲ھ) مولانا فضل الرحمٰنؒ (وفات ۱۳۲۵ھ) مولانا ذوالفقار علیؒ (وفات ۱۳۲۲ھ) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (وفات ۱۳۲۳ھ) کے اسماء قابل ذکر ہیں۔[3]

دیوبند اور علی گڑھ کے مابین ابتداء میں براہِ راست اگرچہ کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن تحریکِ خلافت کے ساتھ تحریک ترک موالات کا زور ہُوا۔ اس تحریک کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ وہ اسکول اور کالج جو حکومت کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ ان کا مقاطعہ کیا جائے۔ مولانا محمد علیؒ (وفات ۱۹۳۱ء) مولانا شوکت علیؒ (وفات ۱۹۳۹ء) اس مقصد کے لئے پورے ملک کا دورہ کر رہے تھے۔ علی گڑھ کے جوشیلے نوجوانوں نے مولانا محمد علیؒ (وفات ۱۹۳۱ء) اور مولانا شوکت علیؒ (وفات ۱۹۳۹ء) کو دعوت دی کہ وہ علی گڑھ آ کر بھی مقاطعہ کی دعوت دیں۔ جب یہ حضرات علی گڑھ آئے تو ذمہ داران علی گڑھ نے جلسہ کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ طلباء کو سخت ندامت ہوئی دوسرے دن طلباء نے پھر جلسہ کیا اور اس جلسہ میں محمد علیؒ (وفات ۱۹۳۱ء) شوکت علیؒ (وفات ۱۹۳۹ء) کی تقاریر نے ہوا کا رُخ ہی بدل دیا۔[4]

مولانا محمد علی وفات ۱۹۳۱ء اگرچہ علی گڑھ کالج کو آزاد بنانے میں کامیاب نہ ہوئے لیکن جو طلباء ان کی حمایت میں کالج سے علیحدہ ہوئے تھے ان کو ساتھ لے کر مولانا نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے الگ ایک درسگاہ قائم کی جس کی بنیاد تو علی گڑھ میں ڈالی گئی۔ لیکن بعد میں یہ دہلی منتقل ہو گئی۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ جامعہ ملیہ علی گڑھ کے خلاف ردّ عمل تھا، حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ اگر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی موجودہ صورتِ حال کا سر سیدؒ کے ان ارادوں اور منصوبوں سے مقابلہ کیا جائے جو شروع میں علی گڑھ سے متعلق تھے تو خیال ہوتا ہے کہ آج کا علی گڑھ سر سیدؒ کے ان سنہرے خواب کی ایک معمولی سی تعبیر ہے۔ سرکاری ملازمت کو علی گڑھ کا اہم ترین علمی مقصد بنانے کے سبب خود علی گڑھ کالج میں یہ احساس پیدا ہونے لگا تھا کہ علی گڑھ ہی تمام امراض کا علاج نہیں۔ قومی اصلاح و ترقی کے لئے علی گڑھ کالج میں اور جامعہ ملیہ اسلامیہ

[1] رضوی سید محبوب۔ تاریخ دیوبند ۲۔ ۱۹۷۲ء ص ۴۳۔ [2] بشیر الدین واقعات دار الحکومت دہلی ج ۲ شمسی پریس آگرہ۔ ۱۹۱۹ء ص ۷۳۔ ۵۶۲۔ گیلانی مناظر احسن، سوانح قاسمی نسائی پریس دہلی ۱۸۹۴ء ص ۴۔ [3] رضوی سید محبوب حاشیہ تاریخ دیوبند ج ۲۔ ۱۸۹۴ء ص ۷۱۔ ۱۵۹۔ [4] رضو محبوب تاریخ دیوبند ج اجید برقی پریس دہلی، ۱۹۷۷ء ص ۸۰۔ [5] مدھولی عبد الغفار۔ جامعہ کی کہانی۔ مکتبہ جامعہ نگر دہلی ۱۹۶۵ء ص ۲۰۔ ۱۹۔

میں کوئی علمی فرق نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ جامعہ کی پالیسی میں سب سے بڑا رول مولانا محمد علی (وفات ۱۹۳۱ء) کا تھا جو علی گڑھ کے اولڈ بوائے بھی تھے ان اسباب کی بنا پر جامعہ ملیہ کو سر سید کی دلی خواہش کی تکمیل کہا جا سکتا ہے نہ کہ اس کی کوششوں کے خلاف ردِ عمل[1] چنانچہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ ۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ کو شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (وفات ۱۹۲۰ء) سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے افتتاحی جلسہ کی صدارت کی درخواست کی گئی۔ شیخ الہندؒ باوجود اپنی علالت کے مولانا محمد علیؒ وفات ۱۹۳۱ء کے اصرار پر علی گڑھ تشریف لائے اور فرمایا۔ "اگر میری صدارت سے انگریزوں کو تکلیف ہوگی تو میں جلسہ میں ضرور شریک ہوں گا۔"[2]

اس خطبۂ صدارت کا خلاصہ جسے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (وفات ۱۳۶۹ھ) نے پڑھ کر سنایا تھا۔ مندرجہ ذیل ہے:

"حضرات! میں نے اس بڑھاپے اور علالت کی حالت میں جس کو آپ خود دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی دعوت کو اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نمازوں کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اٹھو اور امت مرحومہ کو انگریزوں کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔

اے نوجوان طلبا! میں نے دیکھا کہ میرے درد کے غمخوار مدرسوں اور درسگاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔ اسیطرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔ کچھ دنوں بعد بہت سے علماء میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں گے اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتلائیں گے لیکن اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے میرے اکابر نے کسی وقت بھی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ ہاں انگریزی تعلیم کے اثرات اور مذہبی لوگوں کا مذاق اڑانے سے ضرور ہوشیار کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم اغیار کے ہاتھوں کے بجائے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو، تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر ہوں۔[3]

اس موقع پر شیخ الہندؒ کے سامنے بعض طلبا نے اپنے اپنے شبہات پیش کئے جن کا آپ نے تسلّی بخش جواب دیا۔ جس سے طلباء مطمئن ہو گئے۔ شیخ الہندؒ کے اس مقدس سفر نے علی گڑھ، دیوبند، جامعہ ملیہ کے آپسی روابط کے باب ہمیشہ کے لئے کھول دئے۔ چنانچہ بیسویں صدی کی ابتدا میں جمعیۃ الانصار اور صاحبزادہ آفتاب احمد خانؒ (وفات ۱۹۳۰ء) کے ذریعہ قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کرنے کی ایک کوشش یہ کی گئی تھی کہ علی گڑھ کے طلبا کو دیوبند بھیج کر عربی دینی تعلیم کی طرف راغب و متوجہ کیا جائے چند سال ایسی تجویز پر عمل بھی ہُوا لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا۔[4]

ہندوستان کی تمام عصری اور دینی تعلیم گاہیں مسلک اور مشرب کے اعتبار سے پانچ حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ اہل السنت والجماعت حنفی المسلک، جو بالتخصیص دیوبندی، بریلوی کے لفظی اختلاف اور نظریات سے آزاد ہیں۔
۲۔ اہل الحدیث
۳۔ شیعہ اثنا عشری
۴۔ اہل السنت والجماعت، احناف بریلوی۔

[1] محمد اکرام موج کوثر۔ ادارۂ ثقافت اسلام لاہور ۱۹۷۵ء ص ۵۳۔ ۱۴۵۔ [2] حسین احمد مدنی۔ نقش حیات، ج ۲۔ دہلی ۱۹۵۴ء ص ۲۵۶۔ [3] حسین احمد مدنی خطبہ صدارت غنی المطابع، دہلی ۱۹۲۰ء ص ۳۲۔ [4] محمد میاں، علمائے حق، کتب خانہ فخریہ مراد آباد ۱۹۴۶ء ص ضیاء الحسن فاروقی:۔ DARULULOOMDEODANDANOLDEMANDAFONPAKISAT بمبئی ۱۹۶۵ء ص ۵۶

۵۔ اہل السنت والجماعت۔

احناف دیوبندی، ان مختلف الخیال مشارت کے باوجود یہ سمجھنا غلط ہے کہ اختلاف مسلک اور مشرب کی وجہ سے ان عصری اور دینی درسگاہوں کے مابین ربط واتحاد کی کمی تھی۔ اختلافِ مسلک کے باوجود نصاب کا تقریباً ایک طرح کا ہونا۔ اساتذہ وطلباء میں مختلف الخیال ہونے کے باوجود کسی قسم کا نزاع نہ ہونا۔ نظام تعلیم، امتحانات، تعطیلات، نشست وبرخاست کے آداب ہر مکتب کے یکساں ہونا باہمی ارتباط اور مشترک اقدار کی بیّن دلیل ہیں۔

چنانچہ مادر وطن کی یہ عصری اور دینی درسگاہیں مسلک ومشرب کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے قریب نظر آتی ہیں۔

علوم جدیدہ عربی، فارسی علماء فضلاء کی دین تھے لیکن علماء کی ایک جماعت جدید فلسفہ سے شروع شروع سے دور رہی اور بعد کے علماء میں ایسے افراد پیدا ہوئے جنہیں ان علوم کی ضرورت کا احساس ہوا اور انہوں نے سوچا کہ دینی درسگاہوں کا نصاب حالات وزمانہ کی رعایت اور ضرورت کے مطابق رکھا جائے۔ قدیم وجدید علماء کے درمیان ایک تعلیمی اور مذہبی ربط ہوا۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء میں جب ندوہ قائم ہوا تو اس خیال کو جن لوگوں نے عملی جامہ پہنایا ان میں مولوی سید محمد علی مونگیریؒ (وفات ۱۳۴۶ھ) مولانا شبلیؒ (وفات ۱۹۱۴ء) مولوی عبدالحق خیر آبادیؒ (وفات ۱۳۱۸ھ) سر سید (وفات ۱۸۹۸ء) نواب محسن الملکؒ (وفات ۱۳۲۵ھ) اور نواب وقار الملک (وفات ۱۹۱۷ء) کے اسماء سرفہرست نظر آتے ہیں۔[۱]

سر سیدؒ نے ندوۃ العلماء کے ناظم مولوی محمد علیؒ (وفات ۱۳۴۶ھ) کے نام ایک خط میں اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے:

"ایک عمدہ کام شروع ہوا۔ اس کو چلنے دینا چاہیے۔ خدا اس کا نیک نتیجہ پیدا کرے۔ اگرچہ مجھ کو کچھ توقع نہیں ہے کہ باہم علماء کا اتفاق ہو الّا کوشش ضرور ہو۔"[۲]

۱۳۱۱ھ میں کانپور میں ندوہ کے قیام کے سلسلے میں جو ابتدائی مشورے اور جلسے ہوئے ان میں بلا تفریق مسلک ندوۃ العلماء نے اپنی نصابی کمیٹی میں جہاں مولانا محمد علی مونگیریؒ (وفات ۱۳۴۶ھ) مولانا محمود حسنؒ (وفات ۱۹۳۰ء) مولانا اشرف علی تھانویؒ (وفات ۱۳۶۲ھ) مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (وفات ۱۳۴۶ھ) مولانا شبلی نعمانیؒ (وفات ۱۹۱۴ء) مفتی لطف اللہ علی گڑھی (وفات ۱۳۳۱ھ) کو رکن بنایا وہیں کے مشہور عالم مولانا احمد رضا خاںؒ (وفات ۱۳۴۰ھ) کو بھی اس کمیٹی کا ممبر نامزد کیا۔[۳]

دراصل ندوہ کو دو چشموں سے فیض ملا ہے۔ ایک علی گڑھ سے مولانا شبلیؒ (وفات ۱۹۱۴ء) کے ذریعہ جنہوں نے مغربی درس وتدریس اور جدید علوم کے اصولوں کو ندوہ تک پہنچایا، دوسرے مصر سے جو یورپ سے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا کا مرکز ہے۔ ندوہ نے دیگر درسگاہوں کے مقابلہ میں مصر کی جدید معلومات اور زبان وادب سے زیادہ فیض حاصل کیا۔[۴]

(باقی آئندہ)

قارئین تصحیح فرمالیں!

پچھلے ہفتہ احقر کے سفر کراچی کے سبب پرچے میں چند غلطیاں رہ گئیں ان کی تصحیح ضروری ہے۔

۱۔ ص ۳ سطر ۲۰ پر "نہیں" کو "ہیں" پڑھیں۔ پورا جملہ یوں ہوگا "ہم مولانا علیہ الرحمۃ انور کو اپنا سرپرست ماننے کو تیار رہیں"۔

۲۔ ص ۴ کالم ۲ کی پہلی تین سطریں زائد لکھی گئی ہیں انہیں حذف کر دیں۔

۳۔ ص ۲۱-۲۲ کی ترتیب بدل گئی اس کو درست کرلیں۔

معذرت خواہ: علوی

---

[۱] محمد اکرام۔ موج کوثر، لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۸۰ [۲] معارف ج ۴ جولائی ۱۹۱۹ء ص ۳۰ [۳] قدوائی عبدالسلام۔ ندوۃ العلماء کے ۸۵ سال۔ لکھنؤ ۱۹۷۶ء ص ۵

[۴] محمد اکرام۔ موج کوثر۔ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۹۶-۱۹۱

المیہ لبنان، قرآن کی روشنی میں

سید صبور علی ندوی

لبنان میں اسرائیلی فوج کی کارروائی اور صابرہ وشتیلا کیمپوں میں فلسطینی مہاجرین کے قتلِ عام کے بعد مسلمانوں کی پستی، ذلت اور مسکنت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں تاریخ نے عربوں کی جہالت، غربت و پسماندگی کو دیکھا۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے دورِ عروج کو بھی دیکھا۔ جنگ بدر میں بے سروسامانی کے باوجود ان کی بے مثال فتح کو بھی دیکھا۔ دنیا نے عربوں کے ہاتھوں روم اور ایران جیسی اس دور کی ترقی یافتہ سپر پاورز کو شکست کھاتے ہوئے بھی دیکھا۔ مغربی تہذیب کی طرح اسلامی تہذیب کو دنیا پر چھاتے ہوئے دیکھا۔ مسلمانوں کی علم کی سرپرستی کو دیکھا۔ ان کی بے مثال جنگی حکمت عملی کو دیکھا۔ مسلمانوں کی ایمانی طاقت کے مظاہروں کو دیکھا۔ دریاؤں اور پہاڑوں کو ان کے راستہ سے ہٹتے دیکھا۔ دریا دجلہ میں ان کو گھوڑے دوڑاتے دیکھا۔ جس کی منظر کشی علامہ اقبالؒ نے اپنے شعر میں اس طرح کی ہے۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

پھر تاریخ نے عربوں کو دوبارہ زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹتے ہوئے دیکھا۔ اسلام سے پہلے جس طرح وہ ایران اور روم کی نظر میں ذلیل تھے آج دنیا کی تمام اقوام نے ان کو اسرائیل کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ زمانہ جاہلیت کی طرح ان میں نفاق، اتحاد کے فقدان، عیاشی، شراب نوشی اور مذہب بیزاری کے رجحان کو دیکھا۔ اسلامی قومیت سے انکار اور عرب قوم پرستی کے جاہلانہ مرض کو شدت اختیار کرتے دیکھا۔

تاریخ نے تاتاریوں کے ہاتھوں ان کو ذلیل وخوار ہوتے ہوئے دیکھا۔ اسپین سے ان کو بوریا بستر لپیٹتے ہوئے دیکھا۔ بیت المقدس کو ان کے ہاتھوں سے نکلتے دیکھا۔ بخاری امام بخاریؒ کے وطن اور ترکستان کو ان کے ہاتھوں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ افغانستان پر روس کو قبضہ کرتے ہوئے دیکھا۔ ہندوستان کو مغلوں کے ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ مسلم افواج کو بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے دیکھا۔

اس تاریخ کے مطالعہ کے بعد تاریخ کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور موجودہ مسلمانوں کی پستی کے درمیانی دورِ عروج میں وہ کونسی طاقت تھی جس نے ان کو دورِ جاہلیت سے نکال کر دنیا کی بہترین قوم اور خیرِ اُمّت بنا دیا تھا؟ بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں قوم کے بیشتر افراد کو دورِ عروج میں سپرمین یعنی ناقابلِ تسخیر افراد بنا دیا۔ ایرانیوں نے جب ان کو گھوڑوں کو تیراتے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کرتے ہوئے دیکھا تو وہ یہ کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے کہ دیو آگئے، دیو آگئے۔

ان سپرمینوں کے خلیفہ عظیم سپرمین کی طاقت نے تاریخ کو حیرت میں ڈال دیا۔ مادی طور پر سائنس میں ترقی کئے بغیر اس نے اپنے غیر مرئی ریڈار کے ذریعہ مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ کے دوران مدینہ سے سینکڑوں میل دور کے منظر کو دیکھ لیا کہ حضرت ساریہؓ کی فوج پر دشمن پہاڑ کے پیچھے سے اچانک حملہ کرنے والا ہے۔ چنانچہ

اس عظیم پیغمبر نے فوراً اپنے غیر مرئی وائرلیس کے ذریعہ حضرت ساریہؓ کو یہ پیغام ترسیل کیا۔

یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ

اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھ۔

اور ساریہ نے بھی یہ پیغام وصول کیا اور فوری جوابی کاروائی کر کے دشمن کو ناکام بنا دیا۔

"تاریخ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے بھری پڑی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا نسخہ تھا جس نے ان عربوں کو سپر مین ایرانیوں کی زبان میں "دیو" اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا؟

علامہ حالیؔ کی زبان میں جواب سنئے۔

ے اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ عقیدت نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسی نسخہ نے عربوں کو سپر مین اور ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ کیا آج وہ نسخہ اپنی افادیت کھو چکا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے؟

۱۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کسی بھی نسخہ کو مریض استعمال کرنے کی بجائے خوبصورت کور یا غلاف میں خوشبو میں بسا کر تبرکاً رکھ لے اور اس نسخہ کی عبارت کو بہترین لہجہ میں پڑھتا رہے اور دعویٰ کرتا رہے کہ یہ بہترین نسخہ ہے لیکن اس نسخہ کی دواؤں کو استعمال کبھی نہ کرے۔ تو کیا محض اس عمل سے وہ نسخہ مریض کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ لوگ عقلاً ایسے مریضوں کی دماغی صحت کے بارے میں بھی غلط رائے قائم کریں گے۔

۲۔ اس نسخۂ کیمیا کے بارے میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ یہ ایسی زبان میں ہے جو عام فہم نہیں گویا وہ موئن جوڈرو کی زبان ہے کہ صرف ماہرین لسانیات ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں عوام نہیں اور جو ماہرین لسانیات بھی اس نسخہ کا ترجمہ اور تشریح کر کے بتاتے ہیں ان کے درمیان بھی افہام و تفہیم میں شدید اختلاف ہے۔ مریض حیران ہیں کہ انجام کیا ہوگا؟ ڈاکٹر صاحبان ہی ابھی نسخہ کے بارے میں لڑ رہے ہیں اور ہر ڈاکٹر مریض کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس نسخہ کے فہم پر صرف میری ہی اجارہ داری ہے مریض سب گور پہنچ چکے ہیں لیکن ڈاکٹروں کا جھگڑا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔

یہ صورت حال بھی زوال کی لعنتوں میں سے ایک لعنت ہے۔ دورِ عروج میں مسلمان کبھی اس صورت حال سے دو چار نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ انہوں نے پڑھا:

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ

یہ ایسا عربی قرآن ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ

واضح عربی زبان میں ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔

کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر اس کے تالے پڑ گئے ہیں؟

چنانچہ تاجران دین اور علمائے سوء کی طرف سے عائد کردہ یہ الزام سراسر غلط ہے کہ قرآن کی فہم بہت مشکل ہے یا اس پر صرف ان ہی کی اجارہ داری ہے۔ قرآن کا فیض عوام و خواص سب کے لیے جاری ہے شرط یہ ہے کہ طالب علم شوق لگن کے ساتھ عربی زبان پر عبور حاصل کر کے اس کا مطالعہ کرے اس نے تو اپنے بارے میں کہا ہے:

سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ

ہم اس (قرآن) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

اس کی تشریح پر کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

بے شک اس کی تشریح کی ذمہ داری صرف ہم (خدا) پر ہے۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے بعد جب ہم اس نسخہ کیمیا کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں بتاتا ہے کہ دورِ عروج میں عربوں کی طاقت کا راز کیا تھا وہ کیوں ناقابل تسخیر بن گئے تھے ارشاد ہے:

۱۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران)

اور تم لوگ ہی غالب و برتر رہو گے اگر تم صاحب ایمان رہے۔

۲۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ منافقون)

اور عزت اللہ اس کے رسول اور مومنین ہی کے لئے ہے اور لیکن منافقین (اس بات کو) نہیں جانتے ہیں۔

فرمایا جو صاحب ایمان ہیں اور جنہیں مومن ہونے کا دعویٰ ہے وہ اپنی تصدیق اپنے اندر اُن صفات کو کر لیں جو ہمارے رسول اور اُن کے ساتھیوں میں تھیں۔ کسی دوا میں بھی جب مسلم قوم میں یہ صفات ہوں گی تو ہمارا وعدہ ہے کہ وہ ناقابل تسخیر ہوں گے ذلت و مسکنت ان کے قریب سے بھی نہ گذرے گی۔

ان صفات کو جو صحابہ کرامؓ میں تھیں سورۂ فتح پارہ ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ... مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔

محمد رسول اللہ اور آپؐ کے ساتھی (۱) کافروں کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہیں (۲) آپس میں رحم کا سلوک کرنے والے ہیں (۳) تم ان کو رکوع و سجدے کرتے دیکھو گے (۴) وہ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کا خیال رکھتے ہیں (۵) ان کے چہروں پر سجدے کے نشان بن گئے ہیں (۶) ان کی یہی مثال تورات و انجیل میں بیان کی گئی ہے گویا کہ کھیتی (کا ننھا سا پودا) جو اپنا پھنسا ابتدائی حصہ نکالتا ہے (زمین سے) پھر اسے مضبوط کرتا ہے پھر موٹا ہو جاتا ہے پھر اپنے نال پر کھڑا ہو جاتا ہے کھیتی والوں کو (یہ ننھا سا پودا) بہت اچھا لگتا ہے لیکن کافر (اس اسلام کے پودے کو دیکھ کر) غیض و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

ان قرآنی آیات کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان و ذلت، ایمان اور کمزوری، مومن اور بے عزتی، ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جہاں ایمان ہوگا وہاں طاقت ہوگی۔ جہاں عشق ہوگا وہاں سرفرازی ہوگی کائنات ان کے مطیع ہوگی آگ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔

ے آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ہمیں اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہمارے اسلاف جو ناقابلِ تسخیر تھے ان کی کوئی خوبی ہم میں باقی نہیں ہے۔

۱۔ ایمان سے ہم بہت دور جا چکے ہیں۔

۲۔ ہمارا رعب و دبدبہ کافروں کے دِلوں سے نکل چکا ہے۔

۳۔ ہمارے درمیان محبت و اتحاد کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔

۴۔ نماز رکوع و سجود سے اکثریت کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔

ع مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

۵۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر سے ہمیں دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

۶۔ اسلام کا پودا مرجھا رہا ہے ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

۷۔ نہ صحابہ کی طرح ہمارے چہروں پر سجدے کے نشان ہیں۔

۸۔ جتنی ممکن ہو کافروں کے خلاف تم فوجی طاقت پیدا کرو۔" اس حکم کو ہم نے فراموش کر دیا ہے۔ اسلحہ تیار کرنے کے بجائے ہم ہتھیار خرید لیتے ہیں اور کفار کے دست نگر رہتے ہیں۔

۹۔ مسلمان آپس میں بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ" کے قرآنی احکام کے خلاف ہم نے بغاوت کر دی ہے۔ ہم نے نسل، رنگ اور زبان کی عصبیتیں پیدا کر لی ہیں۔ ایران و عراق مسلم ہونے کے باوجود طویل جنگ میں مبتلا ہیں اور اسرائیل کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ زبانی جمع خرچ عالم اسلام کے اتحاد کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ہم دن بہ دن ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور اپنی تاریخ کو بدنام کر رہے ہیں۔

ہمارے دشمن اسرائیل کو دیکھئے اس نے عبرانی زبان کو زندہ کیا ہے۔ تورات کی تعلیم لازمی قرار دی ہے۔ ان کے ٹینکوں پر تورات کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ ان کے وزیر کے بیٹے کو اسرائیل کی شہریت صرف اس وجہ سے نہ مل سکی اس نے سول میرج کی تھی مذہبی طریقہ پر شادی نہیں کی تھی۔

اب اگر عرب اور عجم کے مسلمانوں کو اس ذلت اور مسکنت سے نکلنا ہے تو انہیں اس نسخہ پر دیانتداری سے عمل کرنا ہوگا جس پر عمل کر کے ان

کہ اسلام نے عزت و سربلندی عطا کی تھی۔

۱۔ اپنے دلوں میں نفاق سے پاک ایمان داخل کرنا ہوگا۔

۲۔ وَادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً مکمل اسلام میں داخل ہونا ہوگا۔

۳۔ اسلامی اخوت، رحم وکرم اور محبت کا رشتہ استوار کرنا ہوگا۔

۴۔ اسلامی قومیت کی بنیاد پر اتحاد کی سڑک پر آگے بڑھتے ہوئے اسلامی بلاک، اسلامی سپر پاور قائم کرنا ہوگی۔

۵۔ جذبہ جہاد بیدار کرنا ہوگا اس کے لئے جدید ٹیکنالوجی اور فن حرب کی تعلیم حاصل کرنا ہوگی۔

۶۔ قرآن فہمی کو عام کرنے، نام نہاد تاجران دین سے پیچھا چھڑانے کے لئے عربی زبان کی تعلیم، قرآن کی تعلیم اور احادیث کی تعلیم کو تمام عالم اسلام میں پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک لازمی کرنا ہوگا۔

۷۔ عالم اسلام کے کافرانہ نصاب تعلیم کو تبدیل کرکے انقلابی اور اسلامی نصاب، تعلیم کو اپنانا ہوگا تاکہ مستقبل کی نسل اسلامی ذہن کی حامل پیدا ہوگا اور امت مسلمہ کو زوال سے نکال سکے۔

مسلم ممالک کے مخلص حکمرانوں کو بتدریج اس سلسلہ میں کوشش کرنا چاہیے ہماری ذلت و مسکنت انہیں خطوط پر بتدریج عمل کرکے دور ہوسکتی ہے۔ بیت المقدس بھی آزاد ہو سکتا ہے۔ اور صیہونی سے ہونے والے مستقبل کے نقصان کے مقابلہ میں دفاعی لائن کی بنیاد پڑ سکتی ہے۔ اگر بے حسی کی یہی حالت جاری رہی تو یاد رکھیئے کہ تاریخ میں صابرہ اور شتیلا کیمپوں سے زیادہ ہماری تباہی و بربادی ہوگی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اسرائیل کے نقشہ میں مدینہ منورہ بھی عظیم اسرائیل کے حدود میں شامل ہے؟ اور اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ بتدریج اپنی سرحدیں اس نقشہ کے مطابق بڑھا رہا ہے۔ اردن کے بعد تبوک اور خیبر کا نمبر ہے اور پھر ناموس رسول کا نمبر ہے اگر مسلمانوں نے اب بھی آنکھیں نہ کھولیں تو یہ قومی خودکشی ہوگی اور کوئی غیور قوم اس بھیانک انجام کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

پاکستان جو عالم اسلام کا قلعہ ہے اس کے قائدین کو عالم اسلام کی قیادت کا بیڑہ اٹھانا چاہیئے اور تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف سے لکھوانا چاہیئے۔

ع انداز بیاں گرچہ بہت خوب نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

بقیہ: عورتوں کا صفحہ

"اپنے اوپر اپنی چادروں سے گھونگھٹ ڈال لیا کریں"۔

اس آیت میں خاص چہرہ کو چھپانے کا حکم ہے کیونکہ گھونگھٹ ڈالنے کا مقصد چہرہ کو چھپانا ہے اب یہ گھونگھٹ سے چھپایا جائے یا برقع کے نقاب سے یا کسی اور طریقہ سے۔

یہ حکم کسی ضرورت اور مجبوری سے باہر جانے کے لئے ہے۔ صرف تفریح یا بغیر مجبوری کے بازار کرنے کے لئے نہیں ہے۔ باہر کے کام کو پورا کرنا یا کرانا شوہر کا فرض ہے۔ ہاں اگر شوہر یا کوئی دوسرا مرد نہ ہو تو مجبوراً اس کی اجازت ہے۔

آج کی بے حیا عورتیں جس طرح بن ٹھن کر اپنا حسن اور بناؤ سنگار دکھانے کے لئے باہر آزادی سے گھومتی پھرتی ہیں قدیم جاہلیت میں بھی اسی طرح گھوما کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم وقار کے ساتھ اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو ——— قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاہِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی
(سورہ احزاب)

"اور اپنے گھروں میں جمی رہو قدیم جاہلیت کے طریقہ پر اپنے کو دکھائی مت پھرو"۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتیں اپنے چہرہ پر نقاب ڈالنے لگیں اور کھلے چہرہ کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا۔ اور بے ضرورت گھر سے باہر نکلنا ہی موقوف ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو توفیق دیں کہ قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق اپنے ستر اور پردہ کا اہتمام رکھیں اور موجود دور کی بے حیائی اور بے پردگی سے بچیں۔

بنام مدیر

ایبٹ آباد

۱۱۔۲۔۸۲

ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی

مکتوبِ سامی کا

محترمی! السلام علیکم

"خدام الدین" کی اشاعت مورخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۲ء میں ایک ابوالکلامی (نسیم صاحب، راولپنڈی) کا خط بہ عنوان "حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب" پڑھا ہے

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

یہ خط ہر ابوالکلامی کے جذبات اور احساسات کا صحیح عکس ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ بہ حیثیت ایک ابوالکلامی، آپ کو اس کا نوٹس لینا چاہیئے تھا۔ جس طرح اس سے پہلے ایک نامور اہل علم ابوالکلامی (ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری) نے لیا اور جو "خدام الدین" کی اشاعت ۲۰ر ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

دنیا ابھی ابوالکلامیوں (ابوالکلام کے دیوانوں بہ معنی فرزانوں) سے خالی نہیں ہوئی لہذا اس قسم کی احتجاجی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔

اس قسم کے اعتراضات (خاک افگنی) حضرت مولانا مرحوم و مغفور کی زندگی میں بھی ہوتے رہے۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ صرف ایک دفعہ جب بھارتی ایوان (پارلیمنٹ) میں فرقہ پرست ہندوؤں نے ناجائز اعتراضات کئے تو ان کو آئینِ پارلیمنٹ کے مطابق جواب دینا پڑا یہ واقعہ مارچ ۱۹۵۴ء کا ہے۔

انہوں نے فرمایا:۔

"میں لیپا پوتی کی باتیں نہیں کر رہا، اس قسم کی باتیں وہ کرتا ہے جس میں غرض کا مادہ پایا جاتا ہو، میرے اندر کوئی غرض نہیں۔ میں اس تصور سے ہی ناآشنا ہوں۔ اب سے ۴۶ برس پہلے جب میری عمر ۱۸ یا ۱۹ برس سے زیادہ نہ تھی میں نے اپنی زندگی کا ایک نقشہ بنایا اس وقت سے آج تک میری زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ جانتے ہیں اس کتاب کا کوئی صفحہ نہ تو حوادث و وقائع کی دست درازیوں سے چاک ہوا نہ میں نے کبھی زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی اور نہ کبھی حالات ہی کے بہاؤ میں بہنے کے لئے اپنے آپ کو موجوں کے سپرد کیا ہے۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ ختم ہو چکا ہے۔ جو باقی ہے وہ تھوڑا اور قریب الختم ہے (یہ الہامی فقرہ ہے۔ آپ کی وفات ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو ہوئی۔ ش۔ب) جس نے اپنے دل سے غرض نکال دی، وہ بے پناہ ہو جاتا ہے۔ بے پناہ کا شاید آپ مطلب نہیں سمجھے۔ میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جس کو تلوار نہ کاٹ سکے، اور تلوار اس جسم پر چلتی ہے جس میں غرض ہو۔ اگر غرض نہیں تو کوئی برہنہ سے برہنہ تیغ اس کی کاٹ

پر قادر نہیں ہو سکتی ۔"

اور جب مولانا تقریر ختم کر چکے تو پنڈت نہرو نے مولانا سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ——— "آپ کی چپ سے تو آپ کو چھیڑ دینا ہی بہتر ہے" ——— یعنی اُس نے بھی مولانا کی عادت، سکوت پر صاد کیا کہ آپ لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

اس پر مولانا مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر اپنا بیگ اٹھائے باہر چلے گئے :۔

"ہاں میرے بھائی! بعض طبیعتیں برساتی ہوتی ہیں۔ ایسے ذہنوں کو صاف کرنے کے لئے نکاس کی راہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ پانی میں سڑاند پیدا ہو جانے کا احتمال رہتا ہے ——— اور غیر مضبوط پاؤں اس کیچڑ کی آلودگی سے نہیں بچ سکتے۔"

انہوں نے اسی حقیقت کو اپنے قلم اعجاز رقم سے یوں تحریر فرمایا تھا :۔

"میرے بارے میں کسی نہ کسی طرح دو رائیں بنتی چلی گئی ہیں۔ کچھ لوگ مجھ سے ارادت رکھتے ہیں اور یہ ان کے دل کی فیاضی ہے۔ بعض لوگ مجھے دشنام سے یاد کرتے ہیں اور یہ اُن کے دل کی ناراضی ہے۔ مَیں کیا ہوں اور کیا نہیں اس کا فیصلہ آج نہیں کل ہوگا۔ مَیں نے اپنی زندگی ایک کھُلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے۔ یہ اوراق انہیں اس امر کا فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے کہ مَیں کتنا بُرا اور کتنا اچھا ہوں۔"

(ابوالکلام)

تو آئیے آج ان کی کتاب زندگی کے چند اوراق کا مطالعہ کریں تاکہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ وہ کتنے بُرے اور کتنے اچھے تھے۔

۱۔ ان کی کتاب زندگی کے آغاز کا ایک ورق ہے :۔

حضرت شیخ الہند (ہندوستان کا بطلِ اعظم) مولانا محمود حسنؒ نے فرمایا۔ "اس نوجوان (ابوالکلام) نے ہمیں اپنا بھولا ہوُا سبق یاد دلا دیا۔" اُن کی اس رائے پر آج تک کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

۲۔ اس کتاب کے درمیان کا ورق ہے، زمانۂ حاضر کے ایک مشہور اہل قلم ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا ایک مضمون بہ عنوان "آغا شورش کاشمیری" جو روزنامہ نوائے وقت ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوُا ——— وہ لکھتے ہیں :۔

"برطانوی دَور کے آخری ایک سو سال میں چار روائتیں ہمارے ملک کے ادبی و سیاسی کلچر کی علامت بن گئیں۔"

اس مضمون میں سر فہرست انہوں نے "مصلحت سوز سیاست' کی روایت کو رکھا۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"اس روایت کی تاریخ کی ابتدا حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہادِ آزادی سے ہوتی ہے۔ مَیں نے اس کو مصلحت سوز اس لئے کہا کہ اس کا مقصود فقط ایک عقیدے کی فتح مندی تھا۔ اس میں سیاسی اور دنیوی ترقی اور مفادات کا کوئی پہلو کسی وقت موجود نہ تھا ——— عقیدے کی حکمرانی اس کی غایت ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قربانی کرنے والے، ہر مصلحت اور دنیوی غرض سے بے نیاز ہو کر کوُد پڑتے تھے اور اُنہیں اس میدان سے کوئی طمع، کوئی لالچ، کوئی ترغیب نہ ہٹا سکتی تھی۔"

دوسرے لفظوں میں وہ گویا جہاد فی سبیل اللہ کی راہ پر گامزن رہے۔

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس آخری دَور میں اس روایت کو علی برادران، مولانا

ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے نمائندے ملے" ———

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ "بیسویں صدی کے برصغیر کی شخصیتوں پر نظر ڈالئے۔ اس دور کے رہنماؤں میں یا تو علمار کی اکثریت ہے یا پھر بلند پایہ ادیبوں کی ——— مولانا ابوالکلام کو چھوڑ دیجئے کہ وہ ہمہ فن شخصیّت تھے۔"

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر اتنا ہی اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ سیّد شہیدؒ کے جہاد حریت کو بیسویں صدی میں جاری رکھنے میں مولانا آزادؒ نے اپنی زندگی بسر کر دی یہاں تک کہ دنیائے اسلام بہ شمول ہندوستان نے آزادی حاصل کر لی۔

۳۔ کتاب کا ایک اور ورق ہے۔ کہ مولانا آزادؒ کے ہم عصر عالم مولانا عبدالماجد دریا بادی سے زیادہ اُن کا کوئی ناقد نہ تھا۔ آخر کار اُن کو بھی "صدق جدید" لکھنو (جس کے وہ مدیر تھے) کی اشاعت ۲۶ر جولائی ۱۹۶۸ء پر ایک شذرہ بہ عنوان "نیشنلسٹ کی زبان" سے لکھنا پڑا ——— وہ لکھتے ہیں :۔

"مولانا ابوالکلام کی ایک تقریر ۱۹۴۷ء کا آخری حصہ :۔ عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے نہ ایک سو برس کا پرانا نسخہ ہے۔ وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور وہ نسخہ ہے قرآن مجید کا۔ جس کا یہ اعلان کہ

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين!

ڈرو نہیں اور نہ غمزدہ بنو تمہیں غالب آؤگے اگر تم مومن رہے۔"

خوب خیال کر لیجئے یہ تقریر اُن مولانا ابوالکلام کی نہیں ہے جو ۱۴-۱۹۱۲ء میں "الہلال" کے ایڈیٹر اور قرآن کے داعی تھے یہ اُن مولانا ابوالکلام کی ہے جو ۱۹۴۷ء میں وزیر مرکزی ہو چکے تھے یا وزیر بننے جا رہے تھے۔ اور ہند کو سوراج حاصل ہو چکا تھا۔ آج کوئی کاش اتنا کہنے والا بھی ہوتا۔ مولانا کو نہ یہ خوف آیا کہ کوئی اُن کی سیکولرزم کی طعن کرے گا اور نہ اس کا اندیشہ پیدا ہوُا کہ کوئی ان کی فرقہ پرستی کا چرچا شروع کر دے گا۔"

مَیں نے قارئین کے فیصلہ کے لئے یہ اوراق ان کے سامنے رکھ دئے تاکہ مناسب فیصلہ ہو سکے۔

دو عظیم حادثے

۳۰ر اور ۳۱ر دسمبر کو دو عظیم حادثے ہوئے یعنی مجلس احرار اسلام کے سالار جیوش اور بہادر ورکر میاں سعید اقبال (ہیڈ ماسٹر عزیز الاسلام ہائی سکول گوالمنڈی لاہور) اور شیخ عبدالمجید صاحب (لوہارے والے) انتقال کر گئے ——— دونوں حضرات اکابر احرار و جمعیۃ سے وابستہ، انتہائی متحرک، فعّال، مخلص اور جی دار ورکر تھے۔ ان کی سماجی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

۳۱ر کی شام کو مولانا عبیداللہ انور نے شیخ صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جبکہ ۲ر جنوری ۱۹۸۳ء کو میاں صاحب کے مکان پر تشریف لے جا کر تعزیت کی۔

اللہ تعالےٰ ہر دو مومنین کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(ادارہ)

○

● گناہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ کا خیال بھی دل میں نہ لایا جائے۔ (حضرت ابوذر غفاریؓ)

● جس جوانی میں خدا کے خوف کا اظہار ہو جائے وہ جوانی نہایت قیمتی ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

پروفیسر سید حسین شاہ فدا
اسلام آباد

اصلاح معاشرہ اور آزادیٔ نسواں

خواتین سے معذرت کے ساتھ

عورت کو اتنا گیا گذرا ہوا فرد سمجھ لیا گیا ہے کہ اِسے انگلی پکڑ کر راہ دکھائی جاتی ہے۔ ہمارے باپ اور بھائی ایک عورت ہی کی گود سے پروان چڑھے ہیں۔ عورت کو مٹی کا بُت اور پتلا بنا لیا گیا ہے۔ جس کا جی چاہے اس کا رُخ موڑ لے۔ عورت صدیوں سے استحصال کا شکار چلی آرہی ہے۔ یہ عورت ہی تھی جسے زندہ دفن کیا جاتا تھا۔ انگریز کسی زمانے میں عورت کو شیطان کا درجہ دیا کرتے تھے۔ یونان میں بھی عورت کو حقیر اور ذلیل تصور کیا جاتا رہا۔ ہندو قوم میں شودروں سے بھی بدتر سلوک عورت سے کیا جاتا تھا۔ رسم ستی کی صدائے بازگشت اب بھی گاہے گاہے سنی جاتی ہے۔ بدھ مذہب تو اس سے بھی دس قدم آگے تھا۔ عورت ایک جیتا جاگتا وجود ہے لیکن کوئی اس وجود کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ خواتین دراصل غربت کی جہالت میں پھنسی ہوئی ہیں۔ عورت کو شادی کے بہانے فروخت کیا جاتا ہے کیا یہ عورت کی توہین نہیں ہے کہ سسرال اگر اس کی قیمت ادا نہ کر سکیں تو وہ بے چاری عمر بھر گلتی سڑتی ہی رہے۔ اِسے جنسِ تجارت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ عورت ہی ہے جو مرد کے ہاتھوں کھلونا بن چکی ہے۔ ہر موڑ پر اِسے مرد ہی ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر عورت آزادی مانگے یا ملازمتوں میں اپنا حصہ مانگے اور اگر یہ مردوں کے دوش بدوش کھڑا ہونا چاہے تو اسے مردوں کے انتقام کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ لباس پر پابندی، فیشن پر پابندی، پردہ کرنے کی پابندی، آخر کب تک عورت کا استحصال ہوتا رہے گا۔ عورت کو اس کا صحیح مقام دلانے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ عورت کی ہر آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوتی ہے۔ عورت نہ ہوئی، کباڑ خانہ ہوئی۔ عورت گویا کڑھنے اور جلنے ہی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ عورت کے خلاف یہ ایک منظم اور گہری سازش ہے کہ عورت کو پابندیوں میں جکڑ کر رکھا جائے اور اسے آزادی مطلق نہ دی جائے لیکن اب عورت بیدار ہو چکی ہے۔ وہ اپنا حق لے کر رہے گی۔ اب پابندیوں کے خلاف جہاد کرے گی۔ اسلام نے تو عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا ہے۔ اب وہ مردوں کو دکھا دے گی کہ وہ ان سے کسی صورت میں کم نہیں ہے۔ وہ ان پابندیوں کے خلاف پُرزور مہم چلائے گی۔ ریڈیو کی سماعت اور ٹی وی کے مناظر بھی اس کے لئے ممنوع ہیں۔ کتابیں، اخبارات، اور رسائل عورتوں کے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلانے میں مصروف ہیں، یہاں تک کہ عورت کا فوٹو بھی چھپ جائے تو آسمان سر پر اُٹھا لیا جاتا ہے۔ عورت کو اس ذلت کی دلدل سے نکالنے کے لئے مسلسل صدائے احتجاج بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ زندگی کے تمام ہنگاموں میں مردوں کا سہارا آخر کیوں لیا جائے۔ یہ ہمارے حاکم کب سے بن گئے۔

قارئین! مندرجہ بالا تمام سطور اُس تقریر کا خلاصہ ہیں جو بزم خواتین کے ایک جلسہ میں آزادی کا مطالبہ کرنے والی ایک خاتون کر رہی تھیں۔ ان کا اپنا حُلیہ یہ تھا کہ خوبصورت ساڑھی باندھے جسم کے بالائی حصے کو ایک مختصر سی تنگ کُرتی میں مقید اور ساڑھی اور کُرتی کے درمیان جسم کے کافی طویل و عریض حصہ کو ننگ دھڑنگ کئے ہوئے سب دیکھنے والوں کو دعوتِ نظارہ دے کر مشتعل کر رہی تھیں۔ سر کے بال کٹے ہوئے تھے۔ قانون اگر مدد کرتا تو اس فحاشی کے ضمن میں ان کا چالان کچھ مشکل نہ تھا۔ خواتین اگر اپنے علاقۂ غیر کی کھلی نمائش کرتی پھریں اور پھر بھی اپنے آپ کو مقید سمجھیں تو حیف ہے۔

بعض خواتین تو شادی صرف اس لئے نہیں کرتیں کہ اُن کو مرد کا محکوم بن کر رہنا ہوگا۔ البتہ اگر کوئی غیرت سے محروم مرد مل جائے تو سنت نبوی کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔

اُسی مجلس کی خواتین میں سے ایک خاتون پھٹے پرانے کپڑے پہنے سادگی کا مجسمہ بنی ایک کونے سے اُٹھی اور اس نے جلسہ سے مخاطب ہو کر کہا:

میری بہنو! غور سے سُنو۔

میری اِس مقررہ بہن کا ذرا حلیہ تو دیکھو۔ اس کے برہنہ جسم اور لباس پر کونسی پابندی عائد نظر آتی ہے کہ یہ بھی اپنی آزادی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ آخر یہ کونسی آزادی مانگتی ہیں، گھر سے، معاشرے سے یا لباس سے۔ یہ ساری آزادی تو ان کو حاصل ہے۔ کیا عورت کو مہذب اور شائستہ بننے کے لئے فحاشی اور عُریانی کا درس ہی دیا جائے۔ میری قابلِ احترام تقریر کرنے والی بہن جس رُوپ میں کھڑی ہے، کیا یہ تمام تر پابندیوں اور مذہبی قیود سے آزاد نہیں ہے؟ کیا ان کے مردان سے باز پرس نہیں کر سکتے۔ مطالبۂ آزادی میں اب، کونسی کسر باقی رہ گئی ہے۔ جس کا پُرزور مطالبہ ہو رہا ہے۔ یہ سب مردوں کا اپنا قصور ہے کہ انہوں نے خواتین کو بے لگام چھوڑ رکھا ہے۔ اتنے بناؤ سنگھار اور میک اپ کے بعد یہ بہنیں کس سادگی سے آزادی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اونچی سوسائٹی کے بگڑے ہوئے دولت اور ثروت کے عاشق اذہان مسخ ہو چکے ہیں۔ اپنے شوہروں کو پریشان کرتی ہیں اور اس میں انہیں لُطف آتا ہے۔ عورت ایک فرد ہے، ماں ہے، بہن ہے، بیوی ہے، مرد اِس کا ساتھی ہے۔ اُلفت اور محبت کے چشمے اس کی ذات ہی سے پھُوٹتے ہیں۔ خاندانوں کے نام اسی سے روشن ہوتے ہیں۔ عورت، تو وہ پاکیزہ ہستی ہے کہ اِس کی غیر موجودگی میں دنیا کا حُسن ماند پڑ جاتا ہے۔ کائنات میں رنگ و بُو اِسی سے ہے۔ عورت کی اہمیت مسلّم، عورت جو ایک پیکرِ عصمت ہے، گھر کے اندر رہ کر اس کو جنّت کا گہوارہ بنا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ بدزبان اور بدسلیقہ نہ ہو۔ کیونکہ:

؎ زبان کی بدلگامی ہے سدا انسان کی دشمن
خرد کی ہوش کی بھی عقل کی اوسان کی دشمن

صحت مند قوم کی ترجمانی شائستہ گھروں سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اِسے شوہر کی بہترین ساتھی اور اولاد کی بہترین ماں بن کر رہنا چاہیئے۔ اِس کا کردار پوری قوم پر اثرانداز ہوتا ہے۔ عورت اپنی عصمت اور تقدس کے باعث پہلے چراغ خانہ تھی۔ اب شمع محفل بن کر رہ گئی ہے۔ اس نے اپنے اوصافِ حمیدہ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ موجودہ فیشن زدہ اور مغرب گزیدہ عورت کی شبیہہ سے تو ابلیس بھی نظریں چُرا کر بھاگتا ہوگا۔ اس نے خود کو عریاں تصاویر کے ساتھ اشتہارات کا ذریعہ بنا لینے میں بھی شرم محسوس نہ کی۔ میں اس زمانہ کی عورت سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ عورت کی اسلامی غیرت اور حمیت کہاں گئی۔ اِس کا تو وہ مقام تھا کہ فرشتے بھی اس کے سامنے نظریں جُھکائیں۔ معاشرے کا عروج و زوال اس کی حیات بخش صلاحیت سے منسلک ہوتا ہے۔

یہ اگر عورت بن کر رہے تو اسلامی معاشرے کے لئے رحمت ہے۔ اس کا اصل معراج اور زیور عزت، شرافت، شرم و حیا اور تقدس تھا۔ اب یہ اپنی حدود سے تجاوز کر چکی ہے۔ ننگے بازو، کھلے گلے، سر کے بال کٹے، بغیر دوپٹہ گھومتی پھرتی ہیں۔ فلموں میں عُریاں پوز اسی کے ہوتے ہیں۔ ماڈرن بن جانے کے لئے یہ بے تاب رہتی ہے۔ عورت مستور تھی اسے مرد نے ہی عریاں کیا۔ حیرت ہے کہ مرد ایسی بے حیائی کیسے گوارا کر لیتا ہے۔ وہ اپنی آبرو اور عزت کی خود ہی دھجیاں بکھیرتا ہے۔

وقار اور سادگی کا لباس سے رفعت ہو چکا ہے۔ اب بتائیے کہ پاکیزہ معاشرہ کیسے تکمیل پا سکتا ہے۔ ہم نے اپنی عزت وعصمت کا جنازہ خود نکالا ہے۔

یہ مرد اپنی بیوی، بیٹی اور بہن کو عریاں دیکھ کر کیوں خوش ہوتے ہیں۔ عورت سے ڈانس مرد ہی کراتے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ اس عریانیت اور تباہی میں عورت کا بھی یقیناً کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے کہ اب وہ قابو سے باہر ہو چکی ہے۔ شاہراہوں میں، بسوں میں، سفر کے دوران مرد، عورتوں کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔

یہ تھی مدمقابل کی عورت کی تقریر۔

اس نے پھر ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران میں ملک ایران میں جبکہ شاہی دور تھا اور مرد عورتیں بسوں میں بلاتفریق وجھجک اکٹھے اور یک جا سفر کرتے تھے۔ ایسا ہوا کہ ایک اکیلی دوشیزہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ایک نوجوان (چالیس سالہ) اچانک حرکت میں آیا اور اپنے دانت اس محترمہ کے عریاں جسم میں گاڑ دیئے۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ دوشیزہ نے کہا کہ اس نے میری توہین کی ہے۔ مرد کا موقف اس سے مختلف تھا۔ اس نے کہا کہ محترمہ لباس سے آزاد اور تقریباً برہنہ تھی۔ اگر اس کے اشتعال انگیز جسم پر میری نظر نہ پڑتی تو میرے جذبات میں یہ سیلاب نہ اٹھتا۔ اس کے ابدار جسم کی عریانی اس کی ہی نہیں بلکہ میری بھی توہین کا سبب بنی ہے۔ کیونکہ میرے لئے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو چکا تھا۔ قصور تمام تر محترمہ کا اپنا ہے۔ بہرحال معاملہ عدالت تک گیا پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔

فارسی کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ے دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بہ تو دادم
اول باید بہ تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی
ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

اسلام عالمی مذہب

ڈاکٹر ابو عبد الرحمٰن قادری، ایم اے پی ایچ ڈی

اسلام سے پہلے کے سارے مذاہب قومی تھے، اسلام پہلا مذہب ہے جو سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کے لئے آیا۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝[1] (سبا، ۲۸)

ایک دوسری آیت میں ہے:۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ج (اعراف ۱۵۸)

اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ میں تم سب لوگوں کی طرف اس خدا کا بھیجا ہوا ہوں جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

اس سے نمایاں ہے کہ یہ دین مقامی یا قومی نہیں بلکہ عالمی اور بین الاقوامی ہے جو دنیا کے سارے انسانوں کے لئے پیغام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ (احزاب)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ تو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب یہ دین خاتم الانبیاء کا دین ہے جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تو یہ دین بھی آخری اور خاتم الادیان ہے، جس کے بعد کوئی دین آنے والا نہیں ہے، اس لئے یہ دین وقتی یا ہنگامی نہیں بلکہ ابدی اور دائمی ہے کہ زمانۂ پیغمبر ہی کے سارے انسانوں کے لئے پیغام نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ساری نسلوں اور قوموں کو خطاب ہے۔ اس لئے قیامت تک کے لئے تنہا مدارِ نجات ہے۔

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝[2]

حدیث نبوی میں ہے:۔

كان كل نبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى كل أحمر وأسود۔ (مسلم)

ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام سرخ وسیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام عالمی دین ہے، اسلام دائمی دین ہے اور اسلام تنہا مدار دین ہے۔ یہ اسلام کا دعویٰ ہے، اس عظیم دعوے کی بنیاد اسلام کے دو امتیازی وصف ہیں کہ ان کا دعویٰ بھی اسلام ہی کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ ایک یہ کہ "اسلام رحمت ہے" دوسرے یہ کہ اسلام سارے عالم کے لئے رحمت ہے۔

اسلام کی ہر چیز میں رحمت نمایاں ہے، اس کا خدا رحمٰن ورحیم ہے اور اس کی تمام صفات میں رحمت غالب ہے۔ قرآن مجید میں رحمت خداوندی کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔ تین سو سے زیادہ آیتوں میں صفتِ رحمت کا ذکر ہے۔

قرآن مجید کا آغاز ہی اللہ کے اسم ذات کے بعد اسمائے صفات رحمٰن ورحیم سے ہوا ہے۔ رحمٰن کے معنی ہیں "رحمت کا وہ انتہائی درجہ جس کے بعد کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا" اور رحیم کے معنی ہیں رحمت کا بے پایاں سلسلہ۔ لفظ رحمت کے علاوہ اس کے ہم معنی اوصاف غفور، تواب، ذوالرحمت، ارحم الراحمین اور خیر الراحمین وغیرہ کے ذکر سے قرآن مجید کی آیات بھری ہوئی ہیں ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں:۔

قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط قُل لِّلَّهِ ط كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (انعام-۱۲)

پوچھئے آسمانوں زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ کہہ دیجئے کہ اللہ کا ہے۔ اس نے (مخلوقات پر) رحمت اپنے اوپر فرض ٹھہرا لی ہے۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام-۳۵)

تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت واجب کرلی۔

گناہگاروں کو بھی اس کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیئے:۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (زمر: ۵۳)

کہہ دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کرکے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہوں کا کام ہے:۔

قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝ (حجر ۵۶)

ابراہیم نے کہا کہ گمراہوں کے علاوہ کون ہے جو اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے۔

اسلام دین رحمت ہے، رسول پاک رسول رحمت ہیں، قرآن انسانیت کی ہدایت ہے، اس کے ہر ہر حکم میں تناسب، توازن اور بیلنس ہے، اللہ ہمیں پورے دین پر چلنے کی توفیق دے:

امین

حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا

۱- جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے باز نہ رکھا اس سے زیادہ کون زیاں کار ہوگا؟

۲- جو شخص علم کو دنیا کے لئے علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔

۳- سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔

۴- ہر بات میں تقویٰ اور امانت پیش نظر رکھئے۔

مرسلہ: رستم علی ناصر، پشاور

(آل عمران)

---

[1] اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو سارے لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا لیکن اس بات کو اکثر لوگ

[2] جو غیر اسلام کو دین بنانے کے لئے ڈھونڈے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ انجام کار گھاٹے والوں میں سے ہوگا۔

عورتوں کا صفحہ

سَتر اور پَردہ کا حکم

مولانا محمد قریش صاحب

وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَاِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا۔

رواہ مسلم۔

"اور جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں، دوسروں کو رجھائیں اور خود بھی دوسروں پر ریجھیں، ان کے سر پہ بالوں کی آرائش اونٹنی کے کوہان کی طرح ہو، ناز سے گردنے ٹیڑھی کر کے چلیں وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے آتی ہے۔"

چہرہ اور ہاتھ پیر کے سوا پورا بدن چھپانے کے بعد بھی عورت کا فطری حُسن یا زیور اور لباس وغیرہ کا بناؤ سنگار جو خود بلا ارادہ ظاہر ہو جاتا ہو عورت اپنے باپ، شوہر، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے کے سامنے تو اس زینت اور بناؤ سنگار کو ظاہر کر سکتی ہے مگر ان کے سوا جتنے مرد ہیں ان کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّينَةِ فِي غَيْرِ اَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا نُورَ لَهَا

(ترمذی)

اجنبیوں میں بن سنور کر ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے قیامت کے دن تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ۔

(سورۂ نور، پ ۱۸)

"اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس زینت کے جو آپ سے آپ ظاہر ہو جاتے اور اپنے سینے پر دُوپٹے اوڑھے رہا کریں"

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے اپنا بناؤ سنگار اور زینت و آرائش غیروں سے چھپانے کی کوشش کرو۔ پھر بھی اگر کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو معاف ہے مگر تم میں یہ جذبہ اور شوق ہرگز نہ ہو کہ اپنا بناؤ سنگار غیروں کو دکھاؤ سَر اور سینہ خاص طور پر زینت کی جگہ ہے اس لئے اس کے ڈھانپنے اور چھپانے کی بھی خاص تاکید کی گئی ہے۔

یہ تو ستر کا وہ حکم ہے جس میں عورت اپنے شوہر کے سوا محرم یا غیر محرم کسی مرد کے سامنے اپنا چہرہ، ہاتھ اور پیر کے سوا بدن کا کوئی حصہ نہیں کھول سکتی۔ اس کے بعد دوسرا حکم پردہ کا ہے۔

جن رشتہ داروں کے سامنے چہرہ اور ہاتھ پیر کھلا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے ان کے علاوہ اور جتنے مرد ہیں ان کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ عورت کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانا ہو تو اس طرح باہر نکلنا چاہئے کہ چہرہ نظر نہ آئے۔ قرآن پاک میں ہے:۔

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔ (سورہ احزاب)

(بقیہ ۱۸ پر)

طِبّی مشورے

براہ راست جواب کے خواہش مند حضرات جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔

حکیم آزاد شیرازی اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور

بالوں کی سفیدی

س: مَیں میڈیکل کا طالب علم ہوں اور چوتھے سال میں ہوں۔ عمر تقریباً ۲۳/۲۷ سال کے درمیان ہے میرے بال سر کے قریباً چوتھائی حصہ سفید ہو چکا ہے اور داڑھی میں بھی ایک ایک بال سفید ہونے شروع ہو گئے ہیں براہ کرم مجھے کوئی ایسا نسخہ بتائیں کہ سفید بال رکیں یا سیاہ ہوں۔

محمد شریف ایم بی بی ایس (سٹوڈنٹ)، بولان میڈیکل کالج، کوئٹہ، بلوچستان)

ج: عزیز مکرم! آپ درج ذیل معروضات کو پیش نظر رکھ کر اپنا علاج کریں۔ انشاء اللہ مفید نتائج مرتب ہوں گے۔

۱۔ سر پر ہر قسم کے صابن کا استعمال ترک کر دیں۔ اس کے بجائے آملہ خشک ایک تولہ رات کو پانی میں بھگو دیں صبح اسی پانی سے سر دھوئیں۔ بال صاف ہو جائیں گے۔

۲۔ سر میں ہر قسم کے خوشبو دار یا دوسرے بازاری تیل استعمال کرنا چھوڑ دیں۔ ان کے بجائے ——— آملہ خشک ۱ پاؤ، روغن سرسوں خالص ۱ سیر۔ آملہ کو کوٹ کر ایک سیر پانی ڈال کر کسی لوہے کے برتن یا کڑاہی میں بھگو دیں۔ بارہ گھنٹے بعد اس برتن کو آگ پر رکھ کر جوش دیں۔ نصف سیر پانی رہ جانے پر اس میں روغن سرسوں ملا دیں اور بہت ہلکی آنچ پر رکھیں۔ حتیٰ کہ پانی خشک ہو جائے۔ اب تیل کو چھان کر محفوظ رکھیں۔ بال خشک ہونے پر یہی تیل لگایا کریں۔

۳۔ ایک ورزش صبح، دوپہر، رات جس وقت مناسب سمجھیں (صبح کا وقت سب سے بہتر ہے) روزانہ کریں ——— کسی دیوار کا سہارا لے کر ٹانگیں اوپر اور سر نیچے رکھ کر کھڑے ہوں۔ جتنی دیر بآسانی کھڑے ہو سکیں (مشق کرنے سے زیادہ دیر کھڑا ہو سکیں گے) اس ورزش سے دوران خون سر کی طرف ہوگا اور بالوں کی سفیدی سیاہی میں تبدیل ہونے لگے گی۔

۴۔ کھانے کے لئے تین نسخے حاضر ہیں جو پسند خاطر ہو استعمال کریں:۔

ا۔ پوست ہلیلہ زرد ۵ تولے، پوست ہلیلہ کابلی ۵ تولے، پوست بہیڑہ ۵ تولے، ہلیلہ سیاہ ۵ تولے آملہ مقشر ۵ تولے، بادیاں ۵ تولے انیسون ۲½ تولے، زنجبیل ۲½ تولے برگ سنا مکی ۵ تولے، نمک سیاہ ۲½ تولے۔ جملہ ادویات کو کوٹ چھان کر ملا لیں۔ روزانہ صبح و شام کھانے کے بعد ایک ایک ماشہ پانی کے ساتھ اور رات سوتے وقت ۳ ماشہ پاؤ بھر گرم دودھ کے ساتھ کھایا کریں

(ب) پوست ہلیلہ کابلی ۶ ماشہ پوست بہیڑہ ۶ ماشہ، آملہ مقشر ۶ ماشہ۔ رات کو ایک کپ گرم پانی میں بھگو دیں۔ صبح سویرے یہ پانی پی لیا کریں۔ اور بھیگے ہوئے تینوں اجزا کھا لیا کریں۔

ج: مربہ ہلیلہ ایک عدد، مربہ آملہ ایک عدد روزانہ صبح سویرے کھا لیا کریں۔ مہینہ بھر یہ عمل کر کے صورت حال سے مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ صحت ہو گی اور ان ادویات کا کوئی SIDE EFFICT یا RE ACTION نہیں ہوگا۔ مطمئن رہیے۔

منظور شدہ ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۲۱/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۹/۳۶۷-۲۰۷۶-۹ D.D مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M-۲/۴۰-۱۵۴۱۰ مورخہ ۳ اپریل ۱۹۶۷ء